قرآن: مدارِ مفخرتِ انسان

محمد حمید اللہ

مسند احمد بن حنبل وغیرہ [1] کتب حدیث میں رسول اکرمؐ کا ایک قول نقل ہوا ہے کہ حضرت آدمؑ اولین نبی سے لے کر آپؐ آخری نبی تک اللہ نے انسانوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں، جن میں سے تین سو پندرہ صاحب رسالت تھے۔ نام تو گنتی کے چند ہی معلوم ہیں۔ قرآن مجید میں "صحف ابراہیم و موسیٰ" کا ذکر ہے (حضرت موسیٰؑ کے سلسلے میں الواح اور توراۃ کا نام بھی آیا ہے) حضرت داؤدؑ کی زبور اور حضرت عیسیٰؑ کی انجیل کی بھی صراحت ہے۔ "یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ" (مریم: ۱۲) میں کسی قدر ابہام ہے۔ حدیثوں میں حضرت آدم، حضرت شیث، حضرت ادریس علیہم السلام کے سلسلے میں کتب و صحف کا بھی ذکر ملتا ہے۔ زردشت کی آویستا، ہندوؤں کے ہاں کے پران، وید وغیرہ کے متعلق گمان تو کیے جا سکتے ہیں، یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

توریت کے مطابق انوخ (ادریسؑ) حضرت آدمؑ کی ساتویں پشت میں تھے اور حدیث میں ان کو قلم کا اولین استعمال کنندہ قرار دیا گیا ہے۔ شاید ان سے پہلے کی کتابیں لکھی بھی نہیں گئی تھیں، ان کو صرف زبانی حفظ کیا جاتا تھا۔ اب نہ یہ معلوم ہے کہ ان میں کیا باتیں بیان ہوئی تھیں۔ یہ تک بھی نہیں کہ وہ کس زبان میں تھیں۔ حضرت ادریسؑ کا اولین ذکر عہد جدید (انجیل) "جوڈ (JUDE) کے عام خط" نامی رسالے کے جملہ ۱۴ تا ۱۵ میں یوں ہوا ہے: "اور انوخ نے بھی جو آدم سے ساتویں پشت میں تھے، ان (باتوں) کی پیشین گوئی کی تھی اور کہا تھا کہ دیکھو، پروردگار کسی

بار دس ہزار مقدس لوگوں کے ساتھ آنے والا ہے تاکہ ان سب پر فیصلے کا نفاذ کرے اور ان میں جو کافر ہیں ان کو ان کے کافرانہ اعمال بتائے جن کا انھوں نے ملحدانہ ارتکاب کیا ہو، نیز وہ ملحدانہ اقوال جو گناہگاروں نے اس کے خلاف کہے ہوں"۔ یہ حضرت ادریسؑ کی کتاب کا ایک اقتباس تو ہے لیکن اصل کتاب کا پتہ نہ تھا۔ اب حال میں فلسطین کے بحر مردار میں جو قلمی کتابیں مختلف غاروں میں ملی ہیں، ان میں ایک مخطوطہ اثیوبی زبان میں حضرت ادریسؑ کی طرف منسوب بھی ملا ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ چھپ بھی گیا ہے۔ لیکن وہ مشتبہ سا ہے کیونکہ اس میں پیغمبر آخرالزماں کا متعلقہ اقتباس تو ہے لیکن بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو حضرت ادریسؑ کے بعد کی ہیں مثلاً حضرت نوحؑ کا ذکر۔ جو بھی ہو یہ قدیم ترین الہامی کتاب کے متعلق ہے۔

اس کی تین نسلوں بعد حضرت نوحؑ کا زمانہ آتا ہے، اسلامی کتابوں میں ان کے الہامی صحیفے کا ذکر تو مجھے نہیں ملا لیکن عراق میں اب تک ایک چھوٹا سا گروہ صابیہ مذہب کا پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم حضرت نوحؑ کے مذہب پر عمل کرتے ہیں، اور پرانے زمانے میں ہمارے پاس حضرت نوحؑ کی ایک پوری مقدس کتاب پائی جاتی تھی۔ اب ہمارے پاس اس کے صرف چند جملے باقی رہ گئے ہیں جو اخلاقی تعلیم پر مشتمل ہیں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آتا ہے۔ قرآن مجید میں ان کی طرف صُحُف صراحت سے منسوب ہیں لیکن یہ کتاب نہ یہودیوں کے ہاں ہے اور نہ عیسائیوں کے ہاں۔ صرف قرآن مجید میں اس کی چند آیتیں نقل ہوئی ہیں (دیکھو سورہ النجم: ۳۷ ومابعد)

پرانے انبیاء میں سے حضرت موسیٰؑ کی کتاب سب سے زیادہ خوش قسمت کہی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر "الواح" اور "توراۃ" دو مختلف لفظوں سے ہوا ہے۔ یہودی ماخذوں کے مطابق یہ لوحیں (سلیٹ کی طرح کی) پتھر کی تھیں، اور یہ کہ خدا نے اس پر اپنی ہی مقدس انگلیوں سے احکام لکھ کر کوہ طور (سینا) پر حضرت موسیٰؑ کو دیں۔ چلّے کے بعد جب وہ ان لوحوں کو لے کر پہاڑ سے نیچے اترے تو دیکھا کہ قوم گمراہ ہو گئی ہے حتیٰ کہ گاؤ سالہ پرستی کرنے لگی ہے۔ اس پر وہ اس قدر متاثر اور خفا ہوئے کہ لوحیں ہاتھ سے ڈال دیں (قرآن: وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ، الاعراف: ۱۵۰)۔ یہودی ماخذوں کے مطابق اس زور سے ہاتھ سے پھینکیں کہ وہ ٹوٹ کر

ریزہ ریزہ ہوگئیں۔ اور یہ کہ بعد میں خدا نے ان کو دوسری مرتبہ تحریری احکام دیئے (جس میں اپنی انگلیوں سے لکھنے کی صراحت نہیں ہے)۔ مرتدوں کو سزائے موت دینے کے بعد باقی لوگوں میں ان خدائی احکام پر عمل ہوتا رہا۔ "توراۃ" کے معنی ہیں "قانون"۔ لیکن یہ صرف ایک باب تھا۔ ساری کتاب متعدد ابواب پر مشتمل معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن نے ایک تیسری اصطلاح "صحف موسیٰ" بھی استعمال کی ہے۔ یہ الہامی کتاب کچھ ہی عرصہ بنی اسرائیل کے ہاں رہی۔ پھر عراق کے حکمران بخت نصر (بنوخدنصور) نے فلسطین پر حملہ کیا جہاں بنی اسرائیل (یہودی) رہتے تھے۔ فتح کے بعد، غیر مذہب کی عداوت کے باعث اس نے حضرت موسیٰؑ کی کتاب کے سارے مخطوطے جمع کر کے ان کو آگ لگادی اور ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا۔ اور یہودیوں کو بابل وغیرہ جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے کوئی سو سال بعد ان میں ایک نئے نبی آئے جن کا نام ازرا (EZRA) کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حضرت عُزیر ہوں جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ انھیں حضرت موسیٰؑ کی کتاب زبانی یاد ہے اور انھوں نے وہ اِملا کرائی۔ مگر اس اعادے پر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یکے بعد دیگرے دو بار اٹلی کے حکمرانوں ٹیٹوس اور انٹیوخوس نے فلسطین پر حملہ کیا اور ہر بار صحف موسیٰ کے (جس کا نام اختصار کے ساتھ توراۃ ہوگیا تھا) سارے نسخے تلف کر دیئے۔ اب جو نسخہ ہے چوتھی بار کا اعادہ ہے۔ وہ کس طرح ہوا، اس کے حالات معلوم نہیں۔ اس کی اصل عبرانی زبان میں ہے اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے: پیدائش، خروج از مصر، احکام، اعداد اور تثنیہ۔ اسی عبرانی اصل سے فرنگی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ ایک امر اہم اور قابلِ ذکر ہے، وہ یہ کہ شروع میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب میں پہلے چار باب ہی تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے کوئی چھ سو سال بعد ایک جنگ کے زمانے میں ایک شخص یہودی بادشاہ کے پاس ایک کتاب لاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اسے ایک غار میں ملی مگر گمنام ہے، اس میں دینی باتیں ہیں۔ بادشاہ نے وہ کتاب ایک معمر عورت نبی کے پاس بھیجی جس کا نام ہُلدا تھا۔ اس نے جواب کہلا بھیجا کہ یہ حضرت موسیٰؑ کی کتاب ہے۔ تب سے یہ توریت کے باب پنجم کی صورت میں محفوظ ہے اور اسے کتاب تثنیہ کا نام دیا جاتا ہے کہ اس میں دیگر قدیم چار بابوں ہی کا خلاصہ اور اعادہ ہے۔ اس کتاب تثنیہ کی صحت پر اس لیے بھی شبہ ہوتا ہے کہ وہ منسوب

تو ہے حضرت موسیٰؑ کی طرف لیکن اس کے اواخر میں حضرت موسیٰؑ کی علالت، وفات، دفن، ماتم، ان کے جانشین کے انتخاب وغیرہ کے حالات بھی موجود ملتے ہیں۔ یہی نہیں کتنی دیگر چیزوں کا اس میں الحاق ہوا ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ایسی ہی ایک چیز یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو خدا کے حکم کا ذکر ہے[۳۵] کہ اے ابراہیم اپنے اکلوتے اور چہیتے بیٹے اسحاق کو قربان کر دے۔ یہی توریت کہتی ہے کہ پہلوٹے بیٹے حضرت اسماعیلؑ تھے اور یہی توریت کہتی ہے کہ حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے ہیں۔ بہ ظاہر لفظ اسحاق بعد میں بڑھا لیا گیا ہے۔ قرآن کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت اسماعیل کو قربان کیا جانے لگا تو خدا نے انھیں بچا لیا' اور جانور کی قربانی قبول کی لیکن حضرت ابراہیم کی اکلوتے بیٹے کی بے تردد قربانی پر آمادگی پر خوش ہو کر خدا نے ان کو مژدہ دیا کہ دوسری بیوی، حضرت سارہؑ سے بھی ایک بیٹا اسحاقؑ پیدا ہوگا۔

موجودہ مروجہ بائبل کے دو حصے کیے جاتے ہیں: عہد قدیم اور عہد جدید۔ عہد قدیم (OLD TESTAMENT) میں حضرت موسیٰؑ کی پانچ کتابوں کے بعد بتیس دیگر کتابیں ہیں جن میں بعض یوشع، اشموئیل، ازرا، ایوب، داؤد، سلیمان، یشعیا، دانیال جیسے پیغمبروں کی طرف منسوب ہیں اور بعض تاریخ، کہانیوں وغیرہ کی کتابیں ہیں۔ غالباً ان سب کی سرگزشت وہی رہی جو توریت کی۔ چنانچہ زبور بھی اسی میں داخل ہوتی ہے۔

بائبل کا دوسرا حصہ عہد جدید پر مشتمل ہے۔ اس میں چار انجیلیں بھی ہیں اور سینٹ پال وغیرہ کے بیس ایک دیگر چھوٹے بڑے رسالے ہیں۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسیٰؑ پر انجیل نامی کتاب نازل ہوئی۔ لیکن آپؑ نے نہ اسے لکھوایا اور نہ اس کی حفاظت کے لیے کوئی تدبیریں اختیار کیں۔ انجیل ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں "خوش خبری"۔ حضرت عیسیٰؑ نبی بننے کے بعد بہ مشکل دو تین سال تبلیغ دین کرتے رہے اور مجمع کو مخاطب کر کے عموماً آغاز یوں کرتے کہ دنیا میں خدا کی راج جلد آنے والا ہے۔ وہ یہ تو کہتے رہتے کہ میں توریت کو منسوخ کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ اس کی تکمیل کے لیے' اور میں صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آیا ہوں لیکن یہودیوں کی بداعمالیوں پر اعتراض بھی کرتے تھے۔ اس کے باعث

یہودی ان کے دشمن ہو گئے اور ملک کے رومی حکمراں کے پاس شکایت کرتے اور بغاوت کا الزام لگاتے رہتے جس کے باعث حکمراں نے ان کی سزائے موت کا حکم دیا۔ خدا نے ان کی جان بچائی اور آسمان پر اٹھالیا اور عیسائی آمنت (عقائد) کے مطابق انھیں زندہ صلیب پر ٹھونک دیا گیا۔ وہیں ان کی زخموں سے خون بہنے سے انتقال ہو گیا پھر وہ دوزخ میں اترے اور تین دن بعد دوبارہ زندہ ہو کر آسمان پر گئے۔ وہاں وہ خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے۔ پھر وہ وہاں سے دوبارہ زمین پر آئیں گے اور زندوں اور مردوں کا حساب لیں گے۔"
قرآن کے مطابق نہ انھیں صلیب پر چڑھایا گیا اور نہ انھیں قتل کیا گیا بلکہ خدا نے لوگوں کو شبہے میں ڈالا اور حضرت عیسیٰؑ کو اپنے پاس اٹھالیا۔ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر جانے کے چھ سال بعد اس وقت کے عیسائیوں نے یروشلیم میں ایک اجتماع کیا۔ بعض لوگوں کے اختلاف کے باوجود چند لوگوں نے فیصلہ کیا انجیل کی تعلیم صرف بنی اسرائیل سے محدود نہ رہے، دیگر قومیں بھی عیسائی بن سکتی ہیں اور یہ کہ توریت کے احکام پر عمل کی ضرورت نہیں۔ "کیونکہ یہ بات روح القدس کو بھی اور ہم کو بھی بہتر معلوم ہوتی ہے کہ تم پر لازمی چیزوں کے سوا (توریت کی) کوئی اور ممانعت باقی نہ رہے یعنی تم ایسے جانور کے گوشت سے اجتناب کرو جو بتوں پر قربانی کے لیے چڑھایا گیا ہو، (جانور کے) خون سے، ان چیزوں (جانوروں کے گوشت) سے جن کو گلا گھونٹ کر مارا گیا ہو، اور (غیر شادی شدہ لڑکی سے) زناکاری سے، جس سے اگر تم اجتناب کرو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ خدا حافظ۔"[۱۱۵]

اس صورتِ حال پر تقریباً ایک نسل گزر گئی۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے ایک صحابی متّی MATTHEW کو یہ خیال ہوا کہ اولین عیسائی روز بروز مرتے جا رہے ہیں جلدی سب ایک دن ختم ہو جائیں گے اور دین کی واقفیت کا کوئی سامان نہیں رہے گا اس لیے مناسب ہوگا اگر حضرت عیسیٰؑ کے حالات قلم بند ہوں۔ چنانچہ انھوں نے آرامی زبان میں سیرت النبی کی ایک کتاب مرتب کر اور اسے انجیل کا نام دیا۔ وہ بہت مقبول ہوئی تو دیگر لوگوں کو بھی شوق ہوا کہ اپنے معلومات مرتب کریں اور حضرت عیسیٰؑ کی سوانح عمری کی ہر ایسی کتاب کو مولف "انجیل" ہی کا نام دیتا رہا۔ بعض حضرت عیسیٰؑ کے صحابیوں نے لکھیں، بعض ان کے بعد کے لوگوں نے ایسی ساٹھ ستر

انجیلیں وجود میں آئیں۔ کلیسا ان میں صرف چار کو قابلِ اعتماد قرار دیتا ہے (متی، مرقس، لوقا، یوحنا۔ ان میں سے لوقا کی ولادت حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر جانے کے بعد ہوئی)، باقی انجیلوں کو مشتبہ سمجھتا ہے۔ یہ فیصلہ کب ہوا، کس نے کیا، کس کے حکم سے کیا، کس طرح انتخاب کیا گیا، یہ معلوم نہیں۔ فرانسیسی مورخ والٹیر کا بیان ہے کہ ایک دن پادریوں نے ساری انجیلوں کو ایک کلیسا میں عبادت گاہ کی میز پر جمع کیا گیا۔ پھر میز کو ہلایا گیا۔ جو انجیلیں گر گئیں ان کو رد کر دیا گیا، اور جو میز پر ہی باقی رہیں ان کو صحیح اور معتبر قرار دیا گیا۔ معتبر ہوں کہ غیر معتبر اصل آرامی زبان کی کوئی انجیل اب دنیا میں باقی نہیں ہے۔ قدیم ترین متن یونانی ہیں اور اسی سے دنیا کی کوئی ہزار زبانوں میں کامل یا جزئی ترجمے ہوئے ہیں۔ انجیلوں، حتیٰ کہ چاروں معتبر سمجھی جانے والی انجیلوں میں بھی باہم خاصا اختلاف ہے۔ کچھ عرصہ ہوا، پادریوں نے ساری دنیا سے چاروں انجیلوں کے قلمی نسخے جمع کیے۔ کامل بھی جزئی بھی۔ اس کا جو ذکر عیسائی مدارس کی ایک درسی کتاب میں جس طرح کیا گیا، اس کا من و عن لفظی ترجمہ یہ ہے:

"عہد جدید کے متن کی لفظی تنقید (تحقیق) میں جو دشواری ہے وہ اس کے مخطوطوں کی کثرت سے ہے۔ ناقد کا اولین فریضہ یہ تھا کہ مخطوطوں کی کامل فہرست مرتب کرے۔ ہم (اوپر) دیکھ آئے ہیں کہ اس وسیع تحقیق کا تا حال کیا نتیجہ نکلا ہے۔ دوسرا فریضہ یہ تھا کہ سارے مخطوطوں کا باہم لفظ بہ لفظ مقابلہ کریں اور اختلافات کو نوٹ کریں۔ مخطوطات میں سے جو جمع ہوئے بعض بخط جلی ہیں (یعنی سارے حروف بڑے خط (capitals) میں لکھے گئے ہیں، بعض بخط خفی بھی ہیں (یعنی small letters میں جیسے ع ی س ی/عیسیٰ)، بعض وہ انتخابات ہیں جو عبادت کے وقت پڑھتے ہیں۔ بعض بردی (PAPYRUS) پر ہیں۔ بعض وہ مختصر اقتباسات ہیں جو ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ٹکڑوں پر ملتے ہیں۔ بعض تعویذوں کے طور پر لکھی ہوئی عبارتیں ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف روایتیں اور وہ اقتباسات جو پرانے مولفوں نے اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں اور خود ان کی بھی تحقیق کی ضرورت ہے۔ یہ عظیم انبار اتنا ہے جو کبھی بھی کسی

قدیم کتاب، کے متعلق جمع نہیں ہوا۔ ان میں کوئی دو لاکھ اختلافاتِ روایت ملے ہیں، ان کا بڑا حصہ غیر اہم ہے مثلاً اِملاء کا فرق یا سہو قلم۔ خود ویسٹ کوٹ (WESTCOTT) اور ہورٹ (HORT) جو یہ تعداد دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ ⅞ حصہ قابلِ اعتماد ہے۔ باہم اختلافات بہت چھوٹے حصے (⅛ یعنی پچیس ہزار مقاموں) سے متعلق ہیں مگر ہیں ضرور۔ مثلاً شادی شدہ زانیہ کا قصہ (انجیل یوحنا ۷/۵۳ سے ۸/۱۱ تک) یا خون آمیز پسینہ (لوقا ۲۲/۴۳،۴۴ و مابعد)... انجیل مرقس کے شروع میں مسیح عیسیٰ کا لقب ابن اللہ نہیں دیا گیا ہے..."[۵]

زردشت کی کتاب آویستا میں ذکر ہے کہ میں اپنا کام مکمل نہیں کر سکا، میرے بعد ایک سیت رئیا (رحمۃ للعالمین) آئے گا جو اس تعلیم کو مکمل کرے گا۔ اس کتاب کی سرگزشت بھی قابل ذکر ہے۔ یہ زند زبان میں تھی، زردشت کے بعد ایران پر بیرونی حملے ہوئے اور نئے فاتح حکمرانوں کی زبان کچھ اور تھی اور رفتہ رفتہ وہی ملک پر چھا گئی اور آویستا کو پڑھنے اور سمجھنے والے صرف مٹھی بھر رہ گئے۔ اس وقت پارسیوں کو مناسب معلوم ہوا آویستا کا خلاصہ نئی زبان میں لکھا جائے اور اس کی شرح کی جائے۔ اب اس مشرح خلاصے کا صرف ¼ حصہ دنیا میں باقی ہے اور اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں پُران نام کی چند کتابیں ہیں جو الہامی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ "پُران" وہی لفظ ہے جو اردو میں "پرانا" بن گیا ہے۔ قرآن مجید میں "زُبُر الاولین" کا ذکر آیا ہے اس کے بھی معنے ہیں پُرانے لوگوں کی کتابیں۔ کیا ان دو لفظوں میں کوئی صلہ ہے؟ واللہ اعلم۔ لیکن پران میں بیان ہوا ہے خدا مختلف زمانوں میں مختلف روپ میں آتا ہے۔ آخری اوتار سپاہی کی شکل میں آئے گا۔ یہ سنبھل (؟ ریگستان) میں پیدا ہوگا۔ اس کے باپ کا نام ہوگا "خدا کا غلام" اور ماں کا نام ہوگا "قابلِ اعتماد"۔ اہلِ ملک اسے ستائیں گے اور وہ وطن کے شمال میں جا کر پناہ گزیں ہوگا۔ اس کی فوجی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور اتنے تیز کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے (معراج؟) پھر وہ فاتحانہ اپنے وطن کو واپس آئے گا۔[۶] مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کی تحقیق میں ہندوؤں کی دینی کتابیں شروع میں صرف حفظ کی جاتی تھیں لکھی نہیں جاتی تھیں، اور یہ کہ البیرونی کا بیان ہے کہ یہ اس کے ہندوستان آنے کے کچھ ہی عرصہ قبل پہلی مرتبہ قلم بند ہوئیں۔

یہ ہے مختصر سرگزشت پرانی دینی اور الہامی کتابوں کی۔ کنفوشس کی چینی کتابوں کا زیادہ ذکر شاید یہاں ضروری نہیں۔ البتہ قرآن مجید کے ذکر سے پہلے چند لفظ ہمارے آپ کے معاصر کارل مارکس کے متعلق لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اسے کمیونسٹ اسی طرح معصوم سمجھتے ہیں جتنا مسلمان پیغمبروں کو، اور اس کی کتاب داس کاپیتال (یعنی سرمایہ) کی اتنی ہی عزت کرتے ہیں جو مسلمان، یہودی، نصرانی وغیرہ الہامی کتابوں کی کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی کمل محفوظ نہیں ہے۔ یہ ایک انسانی تالیف ہے اور اس پر اعتماد (ایمان) رکھنے والے جب چاہیں اس کے احکام بدل سکتے ہیں۔ چین، روس، البانیا، یوگوسلاویا کے حالات اس کے شاہد ہیں۔

اب قرآن کو دیکھیں:

قدیم مقدس دینی کتابوں میں عام طور پر خوش خبری کے لیے انتظار کرنے کو کہا گیا ہے۔ توریت ہو کہ زبور و انجیل، اوستا ہو کہ پُران۔ واحد استثناء ہے تو قرآن مجید۔ وہ خود کہتا ہے کہ وہ خاتم النبیین پر نازل ہوا ہے، "کافۃ" للناس تا قیام قیامت۔

کتنی اثر انداز چیز ہے کہ اسے کتاب (یعنی لکھی ہوئی واجب العمل چیز) اور قرآن (یعنی پڑھی جانے والی چیز) کا نام دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ ایک لکھنے پڑھنے سے ناواقف اُمّی شخص پر وحی کے ذریعے آتی ہے اور یہ پر لطف چیز کا اس کا سب سے پہلا ٹکڑا نازل ہوا تو ان الفاظ میں: "پڑھ" پھر ذرا ہی نیچے: "پڑھ کہ تیرا رب وہ ہے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی اور انسان کو وہ چیزیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا" (سورۃ العلق: ۱-۵)۔

یہ اُمّی نبی کیا کرتا ہے؟ تیئیس سال تک جستہ جستہ جو آیتیں نازل ہوتی رہیں، ابن اسحاق سوانح نگار نبوی کے مطابق حضورؐ پہلے اسے صحابہ کے مجمع میں سناتے، پھر صحابیات کے مجمع میں اعادہ فرماتے، پھر کسی کاتب صحابی کو بلا کر پوری عبارت املاء کراتے۔ اور یہ اہم تفصیل کہ اختتام پر کاتب سے کہتے کہ پڑھ کہ کیا لکھا ہے؟ تاکہ اس سے چوک یا غلطی ہوئی ہو تو فوراً اس کی تصحیح کرا دیں۔ پھر حکم ہوتا کہ اس کی نقلیں تیار کرلیں تاکہ ہر ہر مسلمان کے گھر میں قرآن کا نسخہ ہو، یہ نہیں کہ وہ کسی محدود طبقے سے مخصوص ہو، صرف نقل حاصل کرنا کافی نہیں سمجھا گیا اور یہ حکم دیا کہ اسے کسی مستند اجازت یافتہ استاد کے سامنے پڑھے تاکہ غلط نہ

پڑھ لے۔ اس طریقے پر عمل چودہ صدیوں سے اب تک جاری ہے اور استاد سند ہیں استاد بہ استاد رسول اللہ تک ذکر کرتا ہے۔ پھر یہ حکم دیا گیا کہ لوگ حسب امکان اسے حفظ کریں اور روزانہ ہر نماز میں اسے دہرایا کریں۔ چونکہ سارا قرآن بیک وقت نازل نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ ٹکڑوں ٹکڑوں میں نازل ہوا اور ہر ٹکڑے کا شان نزول الگ رہا۔ کبھی عقائد کے متعلق، کبھی قانون وراثت، کبھی قانون تعزیرات یا تجارت وغیرہ۔ کبھی سفر میں، کبھی حضر میں، کبھی وعظ و نصیحت کے لیے پرانے تاریخی قصے۔ ان کو محض تاریخ نزول کی ترتیب پر مدوّن نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے ہر نئی وحی کے وقت کاتب کو حکم ہوتا کہ یہ نیا ٹکڑا سابقہ مجموعے میں کس جگہ ہو، کس آیت سے قبل، کس آیت کے بعد۔ بعض وقت کئی کئی سورتیں بیک وقت بالتدریج نازل ہوتی رہتیں۔ ان کے نزول پر چٹھیوں وغیرہ پر نوٹ کیا جاتا پھر سورہ کی تکمیل ہو جاتی تو اسے کاغذ وغیرہ پر زیادہ بہتر صورت میں لکھوایا جاتا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے قصے میں ذکر آتا ہے کہ انھیں ان کی بہن کے ہاں چند سورتوں کا مجموعہ ملا۔ اسی طرح ہجرت سے قبل بیعت عقبہ میں رسولِ اکرمؐ نے رافع بن مالک الزرقیؓ کو قرآن کا ایک نسخہ تحفہ دیا جس میں اس وقت تک کے نازل شدہ ساری سورتیں تھیں۔ وہ مدینہ آنے پر اسے اپنے محلے کی مسجد میں بہ آواز بلند پڑھا کرتے اور دنیا میں اس عادت کا آغاز انھیں سے ہوا (جیسا کہ سمہودی نے صراحت کی ہے)۔ ہجرت کے بعد مدینہ آنے پر رسول اکرمؐ نے قرآن کے تحفظ اور صحت کی ایک نئی تدبیر اختیار فرمائی۔ وہ یہ کہ ہر سال ماہ رمضان میں سب لوگوں کے سامنے بہ آواز بلند اس وقت تک نازل شدہ سارا قرآن دہراتے۔ اس وقت حضرت جبریلؑ موجود رہتے تاکہ رسول اللہؐ سے کوئی سہو بشری ہو تو فوراً تصحیح کر دیں۔ لوگ اپنے نسخہ ہائے قرآن لاتے اور اس تلاوت نبوی کی مدد سے ان کی تصحیح کر لیتے کہ کوئی لفظ، کوئی آیت کوئی سورت چھوٹ یا بے محل نہ ہو گئی ہو۔ وفات سے چند ماہ قبل آخری رمضان میں رسول اکرمؐ نے یہ تلاوت دو بار فرمائی اور کہا کہ مجھے جبریلؑ نے ایسا کرنے کا حکم دیا اور میں اس سے استنباط کرتا ہوں کہ میرا فریضہ مکمل ہو گیا ہے اور میں اب جلد ہی وفات پانے والا ہوں۔ اس عمل کو "عرضہ" کا نام دیا جاتا ہے اور آخری عرضے میں شریک صحابہ

میں خاص کر حضرت زید بن ثابتؓ کا نام لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے)

رسول اللہؐ کی وفات پر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں قرآن مجید کے بہت سے اوراق ملے تو حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ایک ڈوری سے باندھ دیا کہ منتشر نہ ہو جائیں۔[5] غالباً یہ نامکمل نسخہ تھا ورنہ حضرت ابو بکرؓ کو تدوین قرآن کے لیے محنت نہ کرنی پڑتی۔ مہاجرین و انصار میں بہت سے صحابہ حافظ قرآن تھے۔ ان میں ایک پرجوش اور فاضل خاتون حضرت ام ورقہؓ بھی تھیں (جن کو رسول اللہؐ نے ان کے محلے کی مسجد کا امام بھی بنایا تھا جن کا ایک مرد موذن بھی تھا)۔

نجد میں ارتداد ہوا تو حضرت ابو بکرؓ کی بھیجی ہوئی فوج میں بہت سے لوگ شہید ہوئے جن میں بعض بہترین حافظ قرآن بھی تھے۔ جنگوں میں حافظوں کی شہادت سے قرآن کے رفتہ رفتہ ضائع ہونے کا خطرہ نظر آیا۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے قرآن کو کتابی شکل میں مرتب کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا جس میں حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عمرؓ جیسے لوگ بھی تھے۔ اسی سلسلے میں شہر مدینہ میں ڈھنڈورا پٹوایا گیا کہ جس کسی کے پاس قرآن تحریری شکل میں موجود ہو اور رسول اللہؐ کی سماعت پر مبنی ہو، وہ اسے مسجد نبوی میں لاکر کمیشن کے سامنے پیش کرے اور کمیشن کو حکم دیا گیا کہ حفظ پر تکیہ نہ کرے بلکہ ہر ہر لفظ کے لیے دو شہادتیں حاصل کرے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جو خود حافظ بھی تھے، تدوین کا کام کرتے تھے اور حضرت عمرؓ ہر قرآنی نسخہ لانے والے کو قسم دیتے کہ اس نے رسول اللہؐ سے سنا ہے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت کی روایت ہے کہ جب انہوں نے سارا مواد ختم کر لیا تو مرتبہ نسخے کو شروع سے آخر تک پڑھا۔ وہ سب ٹھیک تھا صرف ایک آیت: "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ" (الاحزاب: ۲۳) مفقود ہے۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر میں دو آیتوں "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ....." (توبہ: ۱۲۸) کا بھی ذکر ہے۔[6] حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو مہاجرین کے ہاں تلاش کیا۔ وہ ان کے پاس تحریری صورت میں نہ ملی تو ان کو انصار کے ہاں تلاش کیا۔ وہاں صرف ایک شخص حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے ہاں ملی جن کے متعلق ایک زمانے میں خوش ہو کر رسول اللہؐ نے فرمایا تھا "خزیمہ کی شہادت دو آدمیوں کی شہادت کے برابر سمجھی جائے گی"

بعض روایات میں یہ تفصیل ہے کہ حضرت زیدؓ نے ترتیب کے بعد پہلی دفعہ سارا قرآن پڑھا تو ایک آیت مفقود نظر آئی جو تلاش پر حضرت خزیمہ کے ہاں ملی۔ پھر انہوں نے مکرر سارا قرآن پڑھا تو ایک اور آیت مفقود نظر آئی اور وہ بھی بالآخر تلاش پر مل گئی۔ پھر حضرت زیدؓ نے تیسری مرتبہ سارا نسخہ شروع سے آخر تک پڑھا تو اس میں کوئی خامی نظر نہ آئی۔ اس پر انھوں نے وہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے خدمت میں پیش کیا جو بہت خوش ہوئے۔ ان کی وفات پر وہ نسخہ خلیفہ حضرت عمرؓ نے لے لیا۔ جب وہ بھی شہید ہوگئے تو وہ ان کی فاضل بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے لے لیا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں آرمینیا میں ایک جنگ ہوئی جس میں عراق اور شام دونوں بڑی چھاونیوں سے بھی فوجی دستے گئے۔ جب یہ ارض روم (موجودہ ارضروم) میں تھے ایک دن کسی آیت کے متعلق فوجیوں میں جھگڑا ہوا۔ عراقی کہتے کہ یوں پڑھیں شامی کہتے کہ نہیں ایک دوسری طرح سے۔ (بدقسمتی سے مزید تصریح نہیں ہے)۔ سپہ سالار نے مشکل سے ان کو ٹھنڈا کیا اور واپسی پر مدینے میں خلیفہ حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع دی۔ انھوں نے طے کیا کہ ساری اسلامی مملکت میں ایک ہی عبارت کا قرآن ہونا چاہیے جو قریشی یعنی رسول اللہ کی مادری زبان کے مطابق ہو، دیگر قبائلی بولیوں کا لحاظ نہ ہو جس کی رسول اللہ نے بعض وقت بعض لوگوں کو اجازت دی تھی اور انھوں نے حضرت حفصہؓ کے پاس سے حضرت ابوبکرؓ کے لیے مرتبہ شدہ نسخہ قرآن منگایا اور اسی کی سات نقلیں کروائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کو مسجد نبوی میں شروع سے آخر تک باواز بلند پڑھوایا کہ سب کو اطمینان ہو جائے کہ کسی میں بھی کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ پھر یہ نسخے مختلف صوبوں کو بھجوا کر حکم دیا کہ جو کوئی اس سرکاری نسخے کی عبارت سے مختلف عبارت والا کوئی قرآن پیش کرے تو اسے "پھاڑ دو" (خرق) یا "جلا ڈالو" (احرق)۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکرؓ والے نسخے کی املا کی اصلاح کرائی۔

حضرت عثمانؓ کے بھجوائے ہوئے نسخہ ہائے قرآن کافی حفاظت سے رکھوائے گئے لیکن آتش زدگی، طغیانی وغیرہ سے وہ ضائع ہو گئے۔ آج کل دنیا میں ان میں سے صرف تین باقی ہیں۔ ایک تاشقند میں ہے جو تیمور لنگ شام سے سمرقند لایا تھا۔ دوسرا استانبول میں توپ قاپی میوزیم میں ہے جسے کہتے ہیں کہ ترک مصر سے لائے تھے۔ تیسرا انڈیا آفس لندن کی

انڈیا آفس لائبریری میں ہے۔ یہ پہلے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانے میں تھا اور فہرست نگار کے یہاں ہے کہ میجر رالنسن نے جو بغداد میں انگریزی قنصل تھا، اسے حاصل کیا تھا۔ اس میں آخر میں الفاظ بھی ہیں: "کتبہ عثمان بن عفان"۔ واللہ اعلم، خط پرانا ہے۔

یہ بات دہرا کر ختم کرتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ پڑھنا آنا، اور قرآن کا نسخہ حاصل کرنا کافی نہیں۔ پڑھنے اور حفظ کرنے کے لیے کسی مستند استاذ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ نسلاً بعد نسلٍ اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے سارا قرآن پڑھنے یا حفظ کر لینے پر استاذ اپنے شاگرد کو سند دیتا ہے کہ میں نے اسے اسی طرح پڑھایا ہے جیسا میرے استاذ 'فلاں' نے مجھے پڑھایا تھا اور کہا تھا ان کو ان کے استاذ، استاذ کے استادوں نے رسول تک سند پہنچاتے ہوئے اسی طرح پڑھایا تھا۔ مجھے بھی الحمدللہ اس کا شرف حاصل ہوا اور مسجد نبوی (مدینہ منورہ) کے شیخ القراء حضرت حسن بن ابراہیم الشاعر (رحمۃ اللہ علیہ) نے، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کو ایسی سند دی اور اس میں سلسلۂ اساتذہ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت اُبیّ بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تک پہنچایا ہے اور یہ پانچوں صحابہ کرام متفقہ طور پر بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ؐ نے ان کو اسی طرح پڑھایا ہے اور یہ میری اپنی علمی سندوں میں سب سے زیادہ قابل عزت بلکہ قابل فخر ہے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

حواشی

۵۱ مسند احمد بن حنبل ۵/۲۶۶؛ ابن کثیر، البدایة، ۲/۲۵۱-۲۵۲؛ ابن حجر عسقلانی، المطالب فقرہ نمبر ۳۰۲۳، ۳۴۵۳ بحوالہ ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ، محمد بن ابی عمر، الطیالسی، الحارث بن اسامہ نیز زوائد ابن حیان۔

۵۲ یہ ایک عدد ہے جو اردو میں نہیں پایا جاتا۔ مراد بیس ہزار، تیس ہزار، چالیس ہزار وغیرہ۔ یہ عدد فرنگی زبانوں میں ہے، اردو عربی وغیرہ میں نہیں جس طرح کرور اردو میں ہے انگریزی میں

نہیں۔ اس سے فتح مکہ مراد نہ ہونی چاہیئے جس میں دس ہزار صحابہ شریک ہوئے تھے۔ حجۃ الوداع اور اعلان "الیوم اکملت لکم دینکم" مراد ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع کو ایک لاکھ چالیس ہزار لوگوں نے سُنا تھا۔

ے۳ کتاب پیدائش، باب ۲۲، جلد ۲ و مابعد

ے۴ عہد جدید، باب الاحکام، فصل ۱۵، جلد ۲۸-۲۹

ے۵ A. Robert & A. Feuillet, Introduction a la Bible, 2nd ed. 1959, Vol. I, P. 111

ے۶ حسن نظامی، نبی آخر الزماں

ے۷ السمہودی، وفاء الوفاء، طبع دوم، ص ۸۵۷۔

ے۸ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۷۸ء ۱/۳۷۔

ے۹ تفسیر ابن کثیر، مقدمہ، ۹/۱۲۰-۱۲۹